جمہوریت اور اسلام

محمد نذیر کاکا خیل

گذشتہ صدی میں اجنبی تسلط کے بعد ، مغربی تعلیم و تربیت اور جدید تہذیب و تمدن کے زیر اثر مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا تیار ہوا جو ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر شعوری یا غیر شعوری طور پر مغربی علوم و افکار اور جدید معیارات و اقدار کو اصل اور امر مسلمہ سمجھنے لگا اور ان کی روشنی میں ہر چیز کو دیکھنے کا خوگر بنتا گیا ۔ اپنے علوم و افکار اور تہذیبی اقدار کو یا تو انہوں نے رد کر دیا یا ان کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ۔ چونکہ مسلم معاشرے کے ساتھ ان کا تعلق منقطع نہیں ہوا اس لئے بہت سے لوگوں نے بیچ کا راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ جدید و قدیم میں مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کی جائے ۔ اس طرز فکر و انداز نظر کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمہوریت اور اسلام ۔ اشتراکیت اور اسلام جیسے موضوعات پر مضامین اور مقالے لکھ کر دانش وری اور اسکالر شپ کا مظاہرہ کیا جانے لگا ۔ اس کا مقصد درپردہ جمہوریت اور اشتراکیت کے علمبرداروں کی خدمت کرنا تھا ۔ تاکہ وہ مسلمان جو دین سے لگاؤ کے باعث ان نظریات یا نظاموں سے بدکتے یا بھٹکتے ہیں آہستہ آہستہ ان کی وحشت دور ہو اور وہ ان سے قریب ہوں ۔ کاوے کاوے عشق اندر آورد بیگانہ را ۔

یہ ایک دور تھا جو گزر گیا ۔ باطل افکار و نظریات کا طلسم ٹوٹ چکا ہے ۔ اور دین اسلام کی حقانیت کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے ۔ وہ دن دور نہیں جب مسلمان ولولۂ تازہ کے ساتھ اسلام کا پرچم اٹھائے بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا رہے ہوں گے ۔

جمہوریت ایک جدید سیاسی اصطلاح ہے جس کا مفہوم متعین نہیں ۔ جس نام نہاد جمہوریت کے بارے میں یہی متعین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کس بلا کا نام ہے اس کی تعریف کیا ہے ، اس کو اصل و بنیاد

قرار دے کر اسلام کا اس کے ساتھ رشتہ جوڑنا یا اسلام میں اس کا ہیولی ڈھونڈنا عقل میں آنے والی بات نہیں۔ اسلام اسلام ہے۔ اسلام کا ، آسمانی ھدایت اور وحی الٰہی سے بے نیاز محض انسانی ذہن کی پیداوار کسی بھی نظریے یا نظام حیات کے حوالے سے ، خواہ وہ کتنا ھی روشن نظر آئے ، اس کی قلمرو کتنی ھی وسیع ھو ، اس کے حوالے سے اسلام کا مطالعہ ایک مسلمان کے لئے اندوھناک بھی ہے اور خطرناک بھی ۔ پہلے اسلام کو اسلام کے ذریعے پڑھئیے اور سمجھئے پھر اس کو اساس اور معیار قرار دے کر آجکل کے نظریات اور نظام ھائے حیات کا تنقیدی مطالعہ کرکے ان کی کمزوریوں ، اسقام اور خامیوں کو واضح کیجئے تو انسانیت کی بڑی خدمت ھوگی۔ اور اس طرح مسلمان ھونے کی حیثیت سے ممکن ہے کسی قدر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ھو جائیں ۔ (مدیر)

جمہوریت ایک جدید سیاسی اصطلاح ہے جسے مختلف معنوں میں لیا جاتا ہے ۔ اس کی شہرت و مقبولیت کے پیش نظر اشتمالیت پسند اپنے طرز حکومت پر اس کی چھاپ لگا کر دعوی کرتے ھیں کہ اصل جمہوریت معاشی جمہوریت ہے یعنی ایسا نظام جس میں ذرائع پیداوار پر حکومت کا کنٹرول ھو اور ان کے قول کے مطابق دولت کی منصفانہ تقسیم ھو اور استحصال کا خاتمہ ھو ۔ اس نظام میں ایک پارٹی کی حکومت ھوتی ہے جو پرولتاری آمریت کہلاتی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ ھوتا ہے۔ چاھے سرمایہ دار جائز طریقہ سے کیوں نہ کماتا اور خرچ کرتا ھو ۔ اس قسم کی معاشی جمہوریت میں مادیت کو کلیدی حیثیت حاصل ھوتی ہے اور پیٹ کی خاطر انسان انسان کا غلام رہتا ہے۔ حکومت کی مشینری میں فرد کی حیثیت ایک بے جان پرزے کی ھو کر رہ جاتی ہے ۔ اسلام میں اس جمہوریت کے لئے کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اسلام معاشرے کے ساتھ فرد کو بھی اھمیت دیتا ہے اور پھر یہ کہ وہ زندگی کو ایک اجتماعی سالمیت سمجھتا ہے اور معاشرہ کی تشکیل و تعمیر اس طرح کرتا ہے کہ تمام افراد یکساں ترقی کر سکیں اور اعلی اخلاقی زندگی گزار سکیں ــ

جمہوریت کو ایک معاشرتی نظام کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے جس

سے مراد ایک ایسے معاشرہ کا قیام ہے جس میں اونچ نیچ ، رنگ نسل ، ذات ، فرقہ ، مذہب وغیرہ کی کوئی تمیز نہ ہو ، مساوات اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو ، اور قانون کی حکمرانی ہو ۔ جمہوریت کے اس تصور کو ایک ایسے معاشرے میں بروئے کار نہیں لایا جاسکتا جہاں صدیوں پہلے مذہب اور سیاست کو جدا کرکے اخلاقی اقدار کو پائمال کیا جا چکا ہو ۔ اس قسم کی جمہوریت قانون کے ذریعے نہیں اخلاقی بنیادوں پر ھی قائم کی جا سکتی ہے ۔ لہذا لادینی معاشرہ میں اس قسم کی جمہوریت کا قیام ایک خیال خام ہے ۔

عام طور پر جمہوریت سے سیاسی جمہوریت مراد لی جاتی ہے جس کے معنی ھیں عام لوگوں کو حکومت کے معاملات میں بالواسطہ یا بلا واسطہ شرکت کے مواقع فراہم کرنا تاکہ وہ اپنی شخصیت کی تشکیل و تعمیر کر سکیں ۔

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ کسی بھی نظام کی بنیاد اگر انسانی افکار پر رکھی جائے تو اس میں کمی اور خامی رہے گی ، تکمیل صرف باری تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے ، اس کی ھدایت اور رہنمائی کے بغیر کوئی بھی نظام مکمل نہیں ہو سکتا ۔ یہ صحیح ہے کہ فلسفہ انسانی زندگی کے مقاصد کے حصول کا راستہ بتاتا ہے لیکن منزل کی تعیین صرف اور صرف دین ھی کرتا ہے ۔ مغرب نے دین کو سیاست سے الگ کرکے اپنے نظاموں کی تباھی کا خود سامان کر لیا ہے ۔ ان کے ھاں ابھی تک جمہوریت ایک ایسی اصطلاح ہے جو شرمندہ معنی نہ ہوئی ۔

اگر جمہوریت سے مراد عام لوگوں کی صلاح و فلاح ہو تو اسلام سب سے بڑھ کر جمہوری نظام حیات ہے ۔ لیکن اگر اس اصطلاح کو محدود و مخصوص کر دیا جائے تو اسلام میں اس کے لئے گنجائش اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اسلام ایک اجتماعی سالمیت کا نام ہے ۔ ذیل کے صفحات میں اسلام کے ان رہنما اصولوں کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے جو وہ زندگی کے مختلف شعبوں

کی ترقی کے لئے دیتا ہے۔ اس سے اسلامی نظام حیات کو سمجھنے اور اسلام اور مغربی جمہوریت کے درمیان فرق کو واضح کرنے میں مدد ملے گی۔

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں بلکہ دین اور ضابطہ حیات ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً"۔ یعنی آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا(۱) قرآن پاک عمومی یا خصوصی اصول دیکر زندگی کے ہر شعبے میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہی اس کا اکمال اور اتمام ہے۔

اسلام کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جس میں انسانی تعلقات، مساوات ، عدل ، رواداری، مواخاۃ ، باھمی تعاون اور همدردی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار پر قائم ہوں۔ اسلام نسلی ، علاقائی اور سماجیٔ امتیاز کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ برتری صرف حسن اخلاق اور تقویٰ کو حاصل ہے(۲) انما المومنون اخوۃ (۳) ۔ کہہ کر قرآن پاک نے قبائلی و نسلی عصبیت اور طبقہ واریت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا ۔

افراط و تفریط سے پاک ایک متوازن اور عادلانہ نظام کے قیام کی خاطر قرآن پاک زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے(۴) ۔ اور تلقین کرتا ہے کہ خونی ، ازدواجی اور سیاسی رشتے یا ذاتی بغض و عناد کو انصاف کے راستے میں حائل نہ ہونے دیا جائے (۵) ۔ ایک جمہوری معاشرے کے قیام کے لئے سماجی انصاف لازمی ہے اور قرآن پاک سماجی مساوات کی تعلیمات سے بھرا پڑا ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب معاشرے میں غلامی کا رواج تھا لیکن ایسا معاشرہ جس میں سماجی سطح پر آقا اور غلام کی تفریق کا تصور موجود ہو ، کبھی جمہوری نہیں بن سکتا ۔ قرآن پاک نے غلاموں کی سماجی حیثیت

کو بلند کرنے کی خاطر ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کی مالی اعانت کرنے کی ہدایت کی (٦) ۔ ان کی آزادی کے لئے زکوۃ کا ایک حصہ مختص کر دیا(۸)

هجرت سے قبل (۹) اور بعد میں (۱۰) مواخاۃ قائم کرکے رسول کریم ﷺ نے بھائی چارے کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر اقوام عالم کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و زن کی حیثیت اور ان کے باھمی حقوق و فرائض کے تعین ، انسانی برادری کے درمیان مساوات کے قیام ، انسانی عزت و عظمت کے استحکام ، جان و مال کی حفاظت اور سودی کاروبار کی ممانعت کا جو اعلان فرمایا اور جو دراصل آپ کی دس سالہ مدنی زندگی کا نچوڑ تھا (۱۱) ۔ عمرانیات کی تاریخ میں ایک نئے عہد کا آغاز تھا ۔

اسلام اگر ایک طرف ایسے معاشرے کے قیام کے لئے جس میں مساوات اور عدل کا دور دورہ هو اخلاقی اصول اور ضابطے پیش کرتا ہے تو دوسری طرف وہ ان حالات کے خاتمہ کے لئے جو سماجی ناانصافی کا باعث بنتے ھیں متبادل نظام بھی پیش کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام ایک متوازن معاشی نظام پیش کرکے ہر قسم کے استحصال ، احتکار ، اکتناز ، اور ارتکاز کا خاتمہ چاھتا ہے۔ اس نظام میں نہ تو مادیت کو روحانیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے اور نہ ھی روحانیت پر مادیت کو فوقیت دی جاتی ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔ والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل اللہ فبشرهم بعذاب الیم ۔ یعنی جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ جمع کرتے ھیں اور اللہ کی راہ میں (ضرورت مندوں پر) خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادو۔(۱۲) الذی جمع مالا و عددہ یحسب ان مالہ اخلدہ کلا لینبذن فی الحطمة ۔ یعنی جو مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے کہ وہ اس کے کام آئے گا ، هرگز نہیں وہ ضرور دوزخ میں ڈالا جائے گا ۔ (۱۳) صحیح مسلم کی مرفوع حدیث ہے من

احتکر فهو خاطی ۔ یعنی جو انسانی خوراک کی اشیاء کو گرانی کی نیت سے ذخیرہ کرے وہ مجرم ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت ذرائع معاش پر اجارہ داری کو رد کرتی ہے۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ۔ و جعلنا لکم فیھا معایش ۔ گویا قرآن کے نزدیک زمین کے ذرائع معاش سے استفادہ کرنا تمام انسانوں کا مشترکہ حق ہے ۔(۱۴)

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ دنیا میں معاشی جمہوریت کے نام پر جو نظام قائم ہے اس میں انسان کی اپنی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ اس میں انسان اپنے ھی جیسے دیگر انسانوں کی غلامی کرتا ہے ۔ وہ اس کی تمام قوتوں کو خود مختارانہ اپنی منشاء کیمطابق استعمال کرتے ھیں جس سے وہ انسان انسان نہیں بلکہ حکومت کی مشینری کا ایک پرزہ بن کر رہ جاتا ہے ۔ اسلام جو معاشی نظام پیش کرتا ہے اس میں انسان کی اپنی قدر و منزلت برقرار رہتی ہے اور اس کی انفرادیت ریاست میں گم نہیں ہونے پاتی ۔ ارشاد ربانی ہے و ان لیس للانسان الا ما سعی یعنی یہ کہ انسان اپنی کوشش اور جد و جہد سے آزادانہ استفادہ کرنے کا حقدار ہے۔(۱۵) و ھل تجزون الا ما کنتم تعملون ۔ یعنی انسان کو اپنے ھی عمل کا بدلہ ملے گا ۔ (۱۶)

دولت کا ارتکاز روکنے ، اسے استحصال کا ذریعہ نہ بنانے اور تمام لوگوں کو اس سے متمتع ہونے کے لئے قرآن پاک اسے گردش میں رکھنے کا حکم دیتا ہے (۱۷) ۔ زکوۃ کی فرضیت کا مقصد ھی معاشرے کے غریب و لاچار افراد کی مدد ، ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی ، طبقاتی کشمکش کا خاتمہ اور باھمی انس و محبت کا فروغ ہے۔ (۱۸) قرآن پاک کے نزدیک قابل ستائش وہ لوگ ھیں جو زکوۃ اور قانونی واجبات کے علاوہ بھی اپنے اموال میں سے سائل اور بے سہارا لوگوں کی مالی اعانت کرنا فرض سمجھتے ھیں ۔ و فی اموالھم حق معلوم

للسائل والمحروم ـ (۱۹) ـ قرآن پاک نے صدقات نافلہ کی بھی ترغیب دی بلکہ اس حد تک ھدایت کر دی کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ھو اس کو محتاجوں میں تقسیم کر دو ـ و یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (۲۰) ـ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ زکوۃ و صدقات کے علاوہ ضرورتمندوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے اسلامی ریاست اضافی ٹیکس بھی عائد کر سکتی ہے (۲۱) ـ الغرض دولت کی منصفانہ تقسیم کی خاطر جو اقدامات بھی ضروری ھیں اسلام نے ان سے پہلو تہی نہیں کی ـ جس طرح غربت جمہوریت کی دشمن ہے اسی طرح دولت کی فراوانی اور اس کے نتیجے میں عیاشی بھی جمہوریت کے لئے سم قاتل ہے ـ چنانچہ قرآن حکیم اگر ایک طرف دولت کو گردش میں رکھنے کے انتظامات کرتا ہے تو دوسری طرف تبذیر (ناجائز کاموں پر خرچ) اور اسراف (بے ضرورت خرچ) کی بھی ممانعت کرتا ہے ـ ولاتبذرتبذیراً (۲۲) اور ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً (۲۳) ـ

سطور بالا میں اسلام کے معاشی نظام کا جو خاکہ پیش کیا گیا ، وہ ھر قسم کی خامیوں سے مبرا ہے ـ اس میں افراط ہے نہ تفریط ـ اس میں ایک طرف مادی ترقی اور خوشحالی کے لئے جگہ ہے تو دوسری طرف روحانیت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے ـ اسلام انسان کو پیٹ کا پجاری اور سیاسی غلام نہیں بناتا بلکہ افراد کو باعزت اخلاقی زندگی بسر کرنے کے مواقع فراھم کرتا ہے ـ

اسلام ، نظام حیات کی تعمیر اخلاقی بنیادوں پر کرنا چاھتا ہے ـ اس مقصد کے لئے وہ جہاں معاشرتی عدل و انصاف کے بنیادی اصول بتاتا ہے اور ایک متوازن معیشت قائم کرتا ہے وھاں انسان کی سیاسی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے کچھ سیاسی اصول بھی دیتا ہے ـ ملکی معاملات میں عام لوگوں کی بالواسطہ یا بلا واسطہ شرکت جدید جمہوریت کا طرۂ امتیاز ہے ـ

اسلام اسکوردنہیں کرتا لیکن اسلام نے اس شرکت‌کوبھی‌اخلاقی‌اصولوں کے تابع رکھا ہے جو اس کے بنیادی تصورات سے مستفاد ھیں ۔ اور آج مغرب میں بھی جہاں بے دین سیاست اور بے لگام جمہوریت کا عمل دخل ہے شدت سے اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

قرآنی تعلیمات ، سنت رسول اور صدر اسلام کی تاریخ اس بات کی شاھد ہے کہ اسلام باھمی تعاون ، مشاورت اور تعمیری تنقید کو اجتماعی معاملات میں بڑی اھمیت دیتا ہے۔ قرآن پاک مشاورت کو مسلمانوں کی زندگی کا اھم جزو قرار دیتا ہے (۲۴) ۔ اور وحی الٰہی کے باوجود رسول مقبول سے کہتا ہے کہ آپ مسلمانوں سے ملکی معاملات میں مشورہ لیا کریں (۲۵) ۔ آپ نے ملکی معاملات میں نہ صرف مسلمانوں سے مشورہ لیا بلکہ ان کے مشوروں کو قبول بھی کیا (۲۶) ۔

جہاں تک ملکی اور قومی معاملات میں لوگوں کی شمولیت کا تعلق ہے ، اسلام نے عمومی اصول دیکر تفصیلات مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیں تاکہ وہ حالات کے مطابق خود طے کر سکیں ۔ جہاں تک ملک کا نظم و نسق چلانے کے لئے اہلکاروں کے انتخاب کا تعلق ہے۔ اسلام یہ معاملہ بھی مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑتا ہے تاکہ انہیں بدلتے یا بدلے ہوئے حالات میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ البتہ قرآن پاک رہنمائی کے لئے ایک جامع اصول دیتا ہے۔

ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (۲۸) ۔

حدیث میں اس آیت کی تفسیر و تشریح اس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ یہاں لفظ امانت سے مراد حکومت یا ریاستی معاملات ھیں ۔ آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ عرض کیا گیا کہ امانت کیسے ضائع ھوگی ؟

آپ نے فرمایا جب حکومت کے معاملات ایسے لوگوں کے سپرد ہوں گے جو ان کے اہل نہ ہوں (۲۹) ۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ملکیت کی طرح اقتدار بھی ایک امانت ہے جسے خدا کی خوشنودی اور اس کے بندوں کی خدمت کے لئے کام میں لایا جائے ۔

کچھ لوگ خصوصاً مغربی اداروں میں پڑھا لکھا طبقہ قرآن پاک کی آیتوں اور احادیث کو سیاق و سباق سے الگ کرکے یہ دعوی کرتا ہے کہ اسلام میں شخصی حکومت ہے ۔ یا وہ مسلمانوں کی تاریخ کے ایک دور کے حوالے سے اس پر ملوکیت کا ٹھپا لگانے کی ناکام کوشش کرتے ھیں ۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم دیتا ہے (۳۰) ۔ لیکن اسکے ساتھ ھی یہ بھی کہتا ھیکہ اگر تمہارا ان سے اختلاف ہو تو اسے قرآن اور سنت کی روشنی میں حل کیا کرو ۔ دوسرے یہ کہ اولوالامر کی مختلف مفسرین نے مختلف تاویلیں کی ھیں اور ان میں سلاطین و امراء کو بھی شامل کر لیا ہے (۳۱) ۔ امام زمخشری کے قول کے مطابق آیت محولہ بالا میں حکمرانوں کی مطلق اطاعت کے لئے نہیں کہا گیا ہے کیونکہ حکمرانوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے فرائض دیانتداری کے ساتھ سر انجام دیں اور عدل وانصاف کا دامن کبھی نہ چھوڑیں ۔ اگر وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیں گے تو وہ اس منصب کے اہل نہیں رہیں گے جس کے طفیل وہ اولوالامر کے زمرے میں شمار ہوتے ھیں ۔ حکمرانوں کی اطاعت نہ کرنے کی دوسری وجہ امام زمخشری یہ بتاتے ھیں کہ وہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی روشنی میں نہیں کرتے (۳۲)

جہاں تک اطاعت امیر کے بارے میں احادیث نبوی کا تعلق ہے تو ظاہر

ہے کہ وہ قرآنی آیات کی تشریح ہی کرتی ہیں چنانچہ احادیث میں بھی مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ امیر کی اطاعت کریں۔(۳۳) لیکن یہ اطاعت غیر مشروط نہیں ۔ اطاعت امیر صرف معروف میں لازم ہے ، معصیت میں نہیں۔(۳۴) اگر حاکم وقت کے احکامات اللہ کی نافرمانی کا سبب بنیں تو اس صورت میں اطاعت امیر واجب نہیں۔(۳۵)

ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم مختلف اقوال و بیانات کو ان کے تاریخی پس منظر میں نہیں دیکھتے ۔ خلافت راشدہ کے آخری دور میں جب خانہ جنگیوں کا آغاز ہوا تو زعماء کو ملت کے اتحاد و استحکام کی فکر دامن گیر ہوئی ۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر قسم کے خروج کی ممانعت کی۔(۳۶) اور اطاعت امیر پر زور دیا ۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ امیر کی امارت کو چیلنج کرنے اور اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے جو قانوی خلا پیدا ہوگا اس سے بہتر یہی ہے کہ اس کی امارت تسلیم کر لی جائے اور اطاعت کی جائے تاکہ فتنہ و فساد برپا نہ ہو۔(۳۷) اسی قسم کے خیالات کا اظہار ابن جماعہ نے بھی کیا ہے (۳۸) ۔ اسی سلسلے میں بحث کرتے ہوئے امام یحی بن شرف النووی فرماتے ہیں کہ اطاعت امیر کے غیرمشروط احکامات دراصل امت کی وحدت کو برقرار رکھنے کیلئے ہیں ۔ کیونکہ اختلاف کی صورت میں انکے مذہب اور سیاست دونوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے ۔ (۳۹)

حکمرانوں کے انتخاب اور ان کی مشروط اطاعت کی بہت ساری مثالیں صدر اول کی تاریخ سے دی جا سکتی ہیں ۔ اختصار کے لئے ہم یہاں صرف دو حوالوں پر اکتفا کریں گے جو کتب تاریخ میں تقریباً ایک جیسے مذکور ہیں ۔ رسول کریم کی رحلت کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے حکمران منتخب ہوئے تو آپ نے نہایت وضاحت سے فرمایا کہ اے لوگو! تم ہی نے مجھے اپنا حکمران چنا ہے اگر میں درست کام کروں تو میری اعانت کرنا اور

اگر غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کرنا ۔ جب تک میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور اگر میں ان کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔(۴۰) عامة الناس کے سامنے اپنے کاموں کے لئے حکمرانوں کی جوابدھی ، ذمہ داری اور شریعت کی پاسداری کا اندازہ حضرت معاذ بن جبل کی اس تقریر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے ملک شام کے حکمران کے دربار میں کی تھی ۔ انہوں نے فرمایا کہ ھمارا حکمران ھم ھی میں سے ہے اگر وہ ھمارے درمیان قرآن و سنت پر عمل پیرا ھو تو ھم اس کی اطاعت کرتے رھیں گے لیکن اگر وہ ان (قرآن و سنت) سے روگردانی کرتا ہے تو ھم اسے معزول کر دیں گے۔(۴۱)

مندرجہ بالا بحث سے ھم اس نتیجے پر پہنچتے ھیں کہ اسلام چونکہ ایک متحرک قوت اور ایک مکمل دین ہے اس لئے یہ ایسے اصول نہیں دیتا جو ایک زمانے کے لوگوں کے لئے تو موزوں و مناسب ھوں لیکن دوسرے زمانے کے لئے قطعاً ناقابل عمل ھوں ۔ اس کے اصول ابدی ھیں جو ھر زمانے میں اپنائے جا سکتے ھیں ۔ سیاسی معاملات میں اس نے شوری کا ابدی اصول دیا ہے جسے مختلف زمانوں میں حالات کے مطابق اپنایا جا سکتا ہے ۔ حکمرانوں کے انتخاب سے لیکر ان کی معزولی تک کے معاملات باھمی مشوروں سے طے ھوں گے ۔ ان اصولوں پر تاریخ کے ایک عہد میں عمل درآمد بھی ھو چکا ہے ۔ حضرت ابوبکر کا انتخاب ، حضرت عمر کی نامزدگی اور حضرت عثمان اور حضرت علی کا چناؤ مسلمانوں کے باھمی مشوروں سے ھوا ۔ اور یہی جدید جمہوریت کا ماحصل ہے ۔ اسلام اور مغربی جمہوریت میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں حکمرانوں کا انتخاب اھلیت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جب کہ مؤخر الذکر میں یہ انتخاب پارٹی کی بنیاد پر عمل میں لایا جاتا ہے۔

حکمـــران کی معزولی کا سوال حضرت عثمان غنی کے عہد مبارک میں اٹھایا گیا ۔ اگرچہ اس عہد کے واقعات کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے لیکن ذرا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان نے جان کی قربانی دیکر اس اصول کو دوام بخشا کہ باھمی مشوروں سے منتخب ہونے کے بعد حکمران اس وقت تک قانونی طور پر حاکم رہتا ہے جب تک وہ اس کا اہل رہتا ہے۔(۴۲) ہاں اگر وہ حکمرانی کا اہل نہ رہے تو اہل الرائے یا اہل الشوریٰ اس سے استعفی طلب کر سکتے ہیں ۔ لیکن استعفی طلب کرنے کا حق نہ تو اقلیت کی نمائندگی کرنے والوں کو دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شورشیوں یا مفاد پرست عناصر کے کسی گروہ کو۔ چنانچہ حضرت عثمان سے جب شورشیوں نے اپنے آپ کو معزول کرنے کو کہا تو آپ نے ان کا مطالبہ یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ کیا میں نے اقتدار پر شمشیر کی نوک سے قبضہ کر رکھا ہے کہ تم میری معزولی تلوار کے زور سے چاہتے ہو۔(۴۳) " اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نااہل لوگ اگر حکومت سے غیر قانونی طور پر استعفی کا مطالبہ نہیں کر سکتے تو اسلامی ریاست میں ایسے لوگ حکمرانوں کا انتخاب بھی نہیں کر سکتے ۔ تاریخ شاھد ہے کہ جب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شورشی حضرت علی کے پاس آئے اور آپ سے خلافت کا منصب سنبھالنے کو کہا تو آپ نے ان کی یہ پیشکش یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ شہر میں اہل بدر اور اہل شوری موجود ہیں وہ جسے منتخب کریں گے وہی ملت اسلامیہ کا حکمران ہوگا (۴۴) ۔ چنانچہ دوسری مرتبہ جب انصار اور مہاجرین کے سرکردہ اشخاص جو کہ اہل الشوری اور اہل الرائے تھے ، آپ کے پاس آئے اور خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی استدعا کی تو آپ نے خلافت کا منصب سنبھالا اور برسر عام آپ کی بیعت کی گئی (۴۵) ۔

رسول کریم کا اپنی جانشینی کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا ،

خلفائے راشدین کے انتخاب کے مختلف طریقے ، اور اس سلسلے میں صحابہ کرام کے بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اسلام امور مملکت میں عام لوگوں کی شرکت کی نہ صرف حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اسے ایک مقدس فریضہ قرار دیتا ہے۔ مگر اس کی نوعیت سب سے الگ ہے۔ گزشتہ صفحات میں اسلامی نظام حیات کا جو اجمالی خاکہ پیش کیا گیا اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام آج کل کی اصطلاح میں جمہوریت یا کسی ازم کا نام نہیں۔ نہ وہ کسی کے مماثل ہے۔ وہ ایک ایسا نظام حیات ہے جو زندگی کو اخلاقی اصولوں کا پابند بنا کر انسانی مسائل کو حل کرتا ہے۔ مغربی جمہوریت ہو یا کوئی اور نقص اور ناتمامی کے باعث اسلام کے ساتھ ان کا کوئی میل نہیں۔ جب کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور مزاج اور ترکیب میں ایک خاص نظام زندگی ہے۔

****

حواشی اور حوالہ جات

۱ ـ قرآن مجید ـ سورة المائده ، آیت ۳

۲ ـ قرآن مجید ـ سورة الحجرات ـ آیت ۱۳

۳ ـ ایضاً آیت ۱۰

۴ ـ سورة النساء ـ ۵۸ ، المائده ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۷ ، النحل ، ۹۰ الاعراف ، ۲۸

۵ ـ سورة النساء ، ۱۳۵ ، سورة المائده ، ۸

۶ ـ سورة النحل ، ۷۱

۷ ـ سورة البلد ، ۱۳ ، الدهر ، ۸ ، البقره ، ۱۷۷

۸ ـ سورة التوبہ ، ۶۰

۹ ـ ابن حبیب ، کتاب المحبر ، حیدرآباد دکن ، ۱۹۴۲ ، ص ۷۱ ـ ۷۰

۱۰ ـ ابن سعد ، کتاب الطبقات الکبری ، بیروت ، ۱۹۵۷ ، جلد اول ، ص ۳۹ ـ ۲۳۸

۱۱ ـ ابن هشام ، سیرة النبی ، قاهره ، ۱۹۳۸ ، جلد چهارم ص ۲۷۵

۱۲ ـ قرآن کریم ، سورة التوبہ ، آیت ۳۴

۱۳ ـ ایضاً سورة الهمزه ، آیت ۱ تا ۴

۱۴ ـ البقره ، ۲۹ ، الحجر ، ۲۰

۱۵ ـ النجم ، ۳۹ ـ ۴۰

۱۶ ـ سورة النمل آیت ۹۰

۱۷ ـ الحشر ، ۷

۱۸ ـ التوبہ ، ۶۰

۱۹ ـ الذاریات ، ۱۹

٢٠ ـ البقره ، ٢١٩

٢١ ـ مشكوة المصابيح جلد دوم ص ٦٢٣ ـ ابن حزم ، المحلي (قاهره ١٣٣٩هـ) جلد ٦ ، ص ١٥٦

٢٢ ـ سوره بنی اسرائیل ، آیت ٢٦

٢٣ ـ ایضاً آیت ٢٩

٢٤ ـ شوری ، ٣٨

٢٥ ـ آل عمرن ، ١٥٩

٢٦ ـ مثال کے طور پر جنگ بدر کا نقشہ حباب بن منذر کے مشورہ پر بدل دیا گیا ـ (دیکھئے تفصیلات کے لئے سیرت ابن هشام جلد دوم ص ٢٧٢) جنگ بدر کے اسیروں کی قسمت کا فیصلہ بھی باهمی مشوروں سے طے ہوا جس کی توثیق قرآن پاک نے بھی کی۔(طبری تاریخ ص ٥٧ ـ ١٣٥٥) جنگ خندق کا نقشہ ایک آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان الفارسی کی تجویز کے مطابق تیار کیا گیا۔ سلمان (سیرۃ ابن هشام جلد سوم ص ٢٣٥)

٢٧ ـ الطبری ، جامع البیان لاحکام القرآن جلد دوم ص ٣٦ ـ ٢٣٥

٢٨ ـ قرآن پاک ، سورۃ النساء ، آیت ٥٨ ـ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مفتی محمد شفیع ، معارف القرآن جلد دوم کراچی ١٩٧٦ء، ص ٥٣ ـ ٤٤٢

٢٩ ـ بخاری شریف ، کتاب الرقاق ، کتاب العلم

٣٠ ـ سورۃ النساء آیت ٥٩

٣١ ـ الطبری ، جامع البیان جلد هشتم ص ٥٠٢ ـ ٤٩٧

٣٢ ـ زمخشری ، الکشاف ، قاهره ، ١٣٥٤ هـ جلد اول ص ٢٩٠

٣٣ ـ بخاری شریف (نور محمد اصح المطابع) جلد دوم ص ١٠٥٧

٣٤ ـ ایضاً ص ٥٨ ـ ١٠٥٧

٣٥ ـ امام احمد بن حنبل ، سنن ، قاهره ، جلد پنجم ص ٦٦

لا طاعة لمخلوق فی معصية الله

٣٦ ـ امام ابویوسف ، کتاب الخراج ، قاهره ، ١٣٨٢ هـ ص ٩ ـ بخاری جلد دوم ص ١٠٤٧

۳۷ ـ امام غزالی اپنی کتاب «الاقتصاد فی الاعتقاد» مطبوعہ قاهره میں ص ۱۰۷ پر لکھتے هیں :ـ

أحسن ان يقول القضاة معزولون و الولايات باطلة والانكحة غير منعقده و جمع تصرفاة اولاة فی اقطار العالم غير نافذة و انما الخلق كلهم مقدمون على الحرام او ان يقول الامامه منعقدة

۳۸ ـ روز نتهال ، پولیٹکیل تهاٹ ان میڈیوَل سلام ، لندن ۱۹۶۲ ، ص ۴۳ ـ البرٹ حورانی ، اربیک تهاٹ ان دی لبرل ایج ، لندن ، ۱۹۷۰ ، ص ۱۵ ـ ۱۴

۳۹ ـ یحیی بن شرف النووی ، شرح لمسلم الصحیح ، جلد دوم ، کراچی ، ۱۳۳۹ ھ ، ص ۱۲۴

۴۰ ـ الطبری ، تاریخ ، ص ۱۸۲۹

۴۱ ـ الازدی ، فتوح الشام ، (اردو ترجمہ ملیح آبادی) کلکتہ ، ۱۹۳۴ ، ص ۱۸۵ ـ ابوالکلام آزاد ، اسلامی جمہوریہ ، لاهور ، ۱۹۵۶ ، ص ۴۲

۴۲ ـ الماوردی ، الاحکام السلطانیہ ص ۱۷

۴۳ ـ ابن سعد ، الطبقات الکبری ، بیروت ، ۱۹۵۷ ، ص ۶۸ جلد دوم

۴۴ ـ ابن قتیبہ ، الامامة و السیاسة ، مصر ، ۱۹۶۹ ، ص ۳۶

۴۵ ـ ابن الاثیر ، تاریخ ، جلد دوم ص ۱۵۳ ـ طبری تاریخ ص ۳۰۶۶ ـ

*****